

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

اخلاص و محبت کا ایک مرکز

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

زندگی اور مختلف طبقات کا وسیع مطالعہ و تجربہ

حکمت الہی نے حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کا اس طرح انتظام کیا تھا کہ اُن کی شعوری زندگی کا معتد بہ اور طویل حصہ مختلف ماحول اور مسلمانوں کی مختلف العقائد مذہبی جماعتوں اور طبقوں میں گزرا تھا، انھوں نے ایک ایسے دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا جو زمانہ حاضر کے اثرات اور جدید تعلیم کے خیالات سے دُور تھا، مگر کبھی کبھی کسی روزن سے باہر کی آزاد خیالی کے جھوٹے آجاتے تھے اور ان کی سلیم لیکن حساس و ذہین طبیعت کی سطح پر متوجہ پیدا کر دیتے تھے، پھر حکمت الہی (جس کی مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا) آپ کو قادیان لے گئی جو اس وقت ایک ایسی نئی تحریک اور دعوت کا مرکز تھا جو نئی بنیادوں پر ایک نئی ملت کی تاسیس کر رہی تھی اور جس کو جمہور اہل اسلام اور سواد اعظم سے بنیادی اختلاف تھا اور وہ ذہنی طور پر بے چین اور باغی عناصر کا بھڑاواؤں بنا ہوا تھا، وہاں انھوں نے اس تحریک کے بانی (مرزا قادیانی) اور اُس کے سب سے بڑے ترجمان اور وکیل (حکیم نور الدین) سے ملاقات کی اور اس نئی دینی ریاست اور پیشوائی کے اندرونی حالات دیکھے، پھر ہندوستان کے مختلف دینی و علمی مرکروں اور مشہور درس گاہوں میں رہ کر علماء کی خریفانہ کشمکش، جذبہ رقابت، تکفیر و تقسب کے مشغلے، اہل علم کا علمی پندار اور نخوت، اساتذہ کا معقولات میں توغل، مصلحین میں اپنی اصلاح، نفسانی امراض اور اخلاق رذیلہ کے علاج و استیصال سے غفلت کے مناظر اور نمونے دیکھے۔

اس دوران میں مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کی کئی تحریکیں پیدا ہوئیں لیکن آندھی پانی کی طرح آئیں اور آندھی پانی کی طرح نکل گئیں، ان تحریکوں کے قائدین اور کارکنوں میں جذبات کی افسردگی، اخلاق کی پستی، تعلقات کی خرابی اور اپنی اصلاح نہ ہونے کے مفاسد اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان تحریکوں کے شان دار آغاز کے ساتھ ان کا حسرت ناک انجام بھی مشاہدہ فرمایا۔

باہر کا انتشار اندر کے انتشار کا نتیجہ

رائے پور کے زمانہ قیام میں تحریک خلافت کا عروج بھی دیکھا جو جدید ہندوستان کی سب سے عظیم، سب سے ہمہ گیر اور سب سے طاقتور، نیم دینی، نیم سیاسی تحریک تھی، اس تحریک کو نہ صرف قریب سے دیکھنے کا موقع ملا بلکہ اس

کے راز ہائے سربستہ اور اس کے منصوبوں سے واقفیت کا موقع بھی ملا۔ پھر حضرت نے (شیخ الہند کی وفات کے بعد) اس تحریک کا زوال، اس کے قائدین اور کارکنوں میں انتشار، مخصوص حضرات کو چھوڑ کر تحریک کے رہنماؤں میں اخلاص و تربیت کی کمی، رضا کاروں اور کارکنوں میں نظم و اطاعت کا فقدان، عوام میں اعتماد و انقیاد کی اور منتظمین و ذمہ داروں میں امانت و دیانت کی کمی محسوس فرمائی اور اس کے شکوے سُنے اور آپ کی حقیقت رس طبیعت نے نتیجہ نکال لیا اور اس کو ذہن کے امانت خانہ میں محفوظ کر لیا کہ باہر کا انتشار اندر کے انتشار اور خلا کا نتیجہ ہے۔

صفتیں کج، دل پریشاں سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

قلب کا خلا اور بگاڑ

آپ نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ عوام میں انتشار و اضطراب قیادت کی کمزوری کی وجہ سے ہے اور قیادت کی کمزوری، قائدین کی عدم تربیت اور سوز و زوروں کی کمی وجہ سے ہے، عوام کا قلب قائد ہیں لیکن خود قائدین کا قلب اپنی جگہ سے ہٹا ہوا اور ایمان و یقین اور عشق و سوز کے بجائے حُب دنیا اور حُب جاہ سے بھرا ہوا ہے۔

میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف

اپنے وطن پنجاب میں مشائخ اور اہل خانقاہ کو دیکھا کہ انھوں نے بھی (الامشاء اللہ) متاع درد اور دعائے دل تقسیم کرنے کے بجائے اپنی مشیخت کی دکانیں سجا رکھی ہیں، اب وہاں بھی اصلاح و تربیت نفس اور اخلاص و للہیت کی دولت ملنے کے بجائے نفس کو غذا اور عقل بہانہ جو کو دنیا طلبی کا حیلہ اور سند ملتی ہے۔ واعظین و مقررین کی شیوہ بیانی اور فصاحت و بلاغت بھی سُنی اور مصنفین اور اہل قلم کے ہاں معلومات کی فراوانی اور انشاء پر دازی کا زور بھی دیکھا لیکن یہاں بھی اخلاص کی کمی، عمل کی کوتاہی اور درد و سوز کے فقدان کی وجہ سے ان کے ذریعہ سے عوام کی بہت کم اصلاح اور انقلاب حال ہوتا دیکھا، چودھویں صدی کے وسط کا یہ زمانہ ہندوستان میں دینی خطابت کے انتہائی عروج و ترقی کا دور ہے، لیکن زندگی کا کاروانِ ست جس خواب گراں میں مدھوش یا جس غلط رخ پر رواں دواں تھا اُس میں کوئی تغیر نہیں، کچھ عرصہ کی بات ہے کہ حضرت جگر مراد آبادی مرحوم نے حضرت کو اپنی ایک غزل سُنا کی، جب وہ غزل کے اس شعر تک پہنچے تو حضرت نے بڑی تحسین فرمائی، یہ ہندوستان کے واعظانہ حلقہ کی صحیح تصویر ہے۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر

آنکھوں میں سُردور عشق نہیں، چہرے پہ یقین کا نور نہیں

اخلاص کی کمی اور اخلاق کا فساد

مسلمانوں کے حالات کے اس وسیع مطالعہ اور اپنی زندگی کے اس طویل تجربہ نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا اور آپ کا یہ یقین اور عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور اس کے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص و اخلاق کا پیدا کرنا ہے اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ محبت ہے اور اس کا ذریعہ ذکر و صحبت ہے۔

اس اخلاص اور محبت سے ہر دینی کام اور ہر اصلاحی کوشش میں جان پڑتی ہے اور وہ زندہ اور طاقت ور بنتا ہے، اسی سے عبادات میں روحانیت، علم میں نورانیت، تعلیم و تدریس میں برکت و وقت، وعظ و ارشاد میں تاثیر، تبلیغ و دعوت میں قبولیت و وقت، تصنیف و تالیف میں استواری، جماعتوں میں اتحاد، افراد میں ایثار و محبت پیدا ہوتی ہے، غرض پوری زندگی کی چول اپنی جگہ آ جاتی ہے اور ہر طرح کا ضعف اور انتشار ختم ہو جاتا ہے۔ الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، اذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب۔

اسی طرح اخلاق کی درستی کے بغیر کوئی انفرادی زندگی متوازن اور کامیاب اور کوئی اجتماعی کوشش بار آور اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، آپ کے نزدیک ذکر و شغل، صحبت مشائخ اور مجاہدات و ریاضات کا بڑا مقصد اور ثمرہ اخلاق کی اصلاح، صفاتِ رذیلہ کا ازالہ اور صحیح معنی میں تزکیہ نفس ہے، محض ذکر و کار کا کافی نہیں، اخلاق کی اصلاح ضروری ہے۔ ایک روز ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے جو ایک موقع پر مغلوب الغضب ہو گئے تھے، فرمایا: ”اصلاح کے لیے فقط ذکر کا کافی نہیں، اخلاق کی درستگی کرنا چاہیے اور مشائخ سے اخلاقِ ذمیدہ کا علاج کرانا چاہیے، اسی واسطے زندہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں۔ مثلاً غصہ ہے، یہ بہت بُرا مرض ہے، حدیثوں میں اس کی بہت مذمت فرمائی گئی ہے لیکن جب تک شیخ سے علاج نہیں ہوتا، یہ مرض نہیں جاتا۔“

لطائف ستہ کے انوار و آثار کا ذکر کرتے ہوئے ایک روز فرمایا: ”ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ قلب حرکت کرے یا انوار نظر آئیں بلکہ ان کے جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے علوم منکشف ہو جائیں، مثلاً قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف خیال رہے، دل سے دنیا اور ہر چیز کی قیمت نکل جائے، اسی طرح لطیفہ نفس جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رذائل و صفاتِ رذیلہ نکل جائیں اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جائیں اور انکساری و عاجزی پیدا ہو جائے، اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھیں، جب یہ حالت ہو تو سمجھے کہ کچھ چل پڑا ہے، اسی طرح دوسرے لطائف اس میں انوار کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں، یہ تو محنت و ریاضت سے غیر مسلموں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔“

اخلاص و اخلاق کی جہانگیری اور کیمیائگری

حضرت کے سامنے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کے کارنامے تھے، جن کے اخلاص و اخلاق کی بدولت اسلام نصف صدی کے اندر نصف دنیا میں پھیل گیا اور ہر طرف خدا طلبی اور آخرت کوشی کی ہوا چل گئی، حضرت نے ان کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور اپنی مجالس میں بار بار ان کے اخلاص و ایثار کے تذکرے فرماتے تھے۔ دور آخر میں آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور ان کی جماعت کی تاریخ کا بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ فرمایا، فرماتے تھے کہ ان کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دور میں صحابہ کرام کا نمونہ تھے، وہی رضائے الہی کی دھن، وہی شہادت کا شوق، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی ایثار و محبت اور قربانی کا جذبہ۔

پھر آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حضرت خاں صاحب (عبدالرحمن

خاں) کی تبلیغ و صحبت کے اثرات دیکھے کہ کس طرح وہ دشمن کو دوست، پتھر کو موم اور غافلوں اور فاسقوں کو تہجد گزار اور تقویٰ شعار بنالیتے تھے، یہ سب اُن کے اخلاص اور سوزی دروں کا نتیجہ تھا۔ ان اہل دل بزرگوں اور دروہندوں کے واقعات بھی آپ کے سامنے تھے جن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بجلی کا اثر اور جن کی صحبت کیسیا اور پارس کی تاثیر رکھتی تھی، پنجاب کے ایک باخدا عالم مولانا غلام رسول صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”بڑے عاشق تھے: دلا غافل نہ ہوا ایک دم، یہ انھیں کے اشعار ہیں، پنجابی تھے، اُن کی اردو بھی ایسی ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اُن کے بڑے دردناک اشعار ہیں، صحبت میں یہ اثر تھا کہ جو ایک دفعہ پاس بیٹھ جاتا، ساری عمر اُس کی تہجد بھی نماند نہ ہوتی چہ جائیکہ (فرض) نماز، ہندوؤں میں جہاں وعظ کر دیتے سب کے سب مسلمان ہو جاتے، ایک دفعہ استنجے کے لیے ہاتھ میں ڈھیلا لیے کھڑے تھے، کچھ ہندو عورتیں قضاے حاجت کے لیے بستی کے باہر جنگل کو جا رہی تھیں، ڈھیلا زور سے زمین پر پھینکا اور فرمایا لا الہ الا اللہ، وہ سب ہندو عورتیں لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ پڑھنے لگیں اور گھر تک پڑھتی گئیں اور مسلمان ہو گئیں، ایک شخص مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینک دیتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے مولانا سے کہا کہ فلاں شخص ہمیشہ مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینکتا ہے، فرمایا کہ اب کی پھینکے تو مجھے دکھانا، دکھایا بھی، آپ نے فرمایا کب تک پھینکتا رہے گا؟ وہ وہیں سے نیچے کوڑا پڑا اور تائب ہوا، جو ہندو یا عیسائی ایک دفعہ وعظ سن لیتا تھا مسلمان ہو جاتا تھا، اس واسطے انگریز نے زبان بندی کر دی تھی اور وعظ سے روک دیا تھا۔“

اسی طرح کئی بار مولانا محمد صاحب فاروقی کے عشق و محبت اور درد و سوز اور اُن کی تاثیر اور انقلاب انگیز صحبت کے واقعات بیان فرمائے، ایک مرتبہ فرمایا: ”مولانا عبد اللہ صاحب کے والد مولانا محمد صاحب بڑے عاشق تھے، بہت خوش الحان تھے۔ ایک بستی میں تشریف لے گئے، لوگ باہر درختوں کے نیچے اکٹھے تھے، وارث شاہ کی بہیرا نگھا ہو رہی تھی، خادم سے کہا، آؤ، وہاں چلیں، اُن سے کہا، لاؤ، ہم بہیر سناں، ایسا پڑھا کہ دل کو کھینچ لیا، رگوں نے کہا، واہ مولوی صاحب، پھر بہیر کو چھوڑ کر قرآن شریف پڑھ کر وعظ شروع کر دیا، سب بستی کی بستی مرید ہو گئی۔“

فرماتے تھے کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ ایک ”لواء الحمد“ بناؤں، ایک اونٹ پر سوار ہوں اور قرآن پڑھ کر وعظ سناؤں اور لوگ پتھر اڑ کریں، بس اس کا ذوق آ رہا ہے۔“ اسی طرح ایک دوسرے صاحب اخلاق و درد عالم مولانا احمد الدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”جس بستی سے گزر جاتے لوگ ایسا چمکتے کہ ۱۵، ۱۵ روز تک جانے نہ دیتے، ایک دفعہ گنگوہ شریف گئے، حالانکہ وہاں سب پیرزادے تھے، ایسے چمکے کہ پندرہ دن تک آنے نہیں دیا، پھر بڑی مشکل سے وہاں سے نکلے اور اُن لوگوں نے رو رو کر رخصت کیا۔“

ایک دفعہ دیوبند میں بڑا جلسہ ہوا، بڑے بڑے علمائے کرام وہاں موجود تھے، مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی نے اُن کو کھڑا کر دیا، میں نے کہا، جی یہ بے چارے ایسے بڑے علماء حضرات کے سامنے کیا کہیں گے؟ مولانا نے فرمایا کہ بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی سے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سے بڑے کام لیتے ہیں، چنانچہ تین گھنٹے تک تقریر کی اور بڑا اثر ہوا۔ حضرت تمام کامیاب اور انقلاب انگیز دینی تحریکیں اور اصلاحی

کوششوں کو ان کے داعیوں اور قائدین کے اخلاص، عشق و محبت اور درد و سوز کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ”ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد“ چنانچہ مرکز نظام الدین دہلی کی عالمگیر دینی دعوت اور اُس کے محیر العقول اثرات و نتائج کو اُس کے داعی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کے اخلاص و مقبولیت عند اللہ کے حضرت بے حد معتقد تھے) کی اندرونی کیفیات، جذب دل سوز درد مندی اور اخلاص و للہیت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

حضرت کی نظر سے یہ بات مخفی نہ تھی کہ سب ایسے صاحب تاثیر اور صاحب نسبت نہیں ہو سکتے جیسے یہ حضرات تھے اور نہ دین کی خدمت اور وعظ و ارشاد کا فریضہ ان غیر اختیاری کیفیات پر منحصر ہے، مگر آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ جماعت کا وجود افراد پر اور اجتماعی اصلاح کا انفرادی اصلاح پر موقوف ہے اور مصلح سے پہلے صالح بننا ضروری ہے۔

مخلص کے لیے خدا کی توفیق

نیز اس بات پر آپ کو بڑا وثوق تھا اور بکرات و مراتب یہ بات فرمائی کہ انسان کو اخلاص و ہمت کے ساتھ اپنی اصلاح اور ذکر الہی میں مشغول ہو جانا چاہیے اور اپنی طرف سے اپنے لیے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہیے، مربی مطلق اور مرشد حقیقی اس کے لیے جس کام کو مناسب سمجھے گا، اس کام پر اس کو لگا دے گا اور اُس کی طرف اُس کی طبیعت میں میلان قوی اور اس کے ساتھ مناسبت تامہ پیدا کر دے گا اور پھر اس کام میں اُس کی مدد فرمائے گا کہ خواجہ خود روش بندہ پروری دانہ

ایک بار اسی طرح کا سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ”میرے خیال میں اصل مقصود تو ہر شخص کو اپنے نفس کی اصلاح ہے، فرائض و واجبات و عبادات ادا کرتا رہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو اُس سے کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے تو خود ہی اُس کی طبیعت کو اس طرف متوجہ کر دیتے ہیں اور یا بطریق الہام یا بحکم شیخ اس کے کوئی کام سپرد کر دیا جاتا ہے، اس وقت اس کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ جو کام اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اُس کو انجام دے اور جب تک یہ نہ ہو اُس وقت تک انفرادی طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا اور عبادات ادا کرتے رہنا ہی اس کے لیے بہتر ہے اور اسی سے انشاء اللہ اُس کی نجات ہو جائے گی۔“ ”فرمایا دیکھو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ ازکی نفس ہیں مگر آپ کو بھی جب تک مامور من اللہ نہیں کیا گیا آپ غار حرا میں تشریف لے جا کر انفرادی طور پر اللہ کی عبادت ہی کرتے رہتے تھے، حالانکہ قوم کی بے اعتدالیاں بُت پرستی، ظلم اور تعدیاں بہت دیکھتے رہتے تھے مگر کسی سے تعرض نہیں کیا اور غاروں میں اکیلے جا کر خدا کی یاد میں لگے رہتے تھے لیکن آخر جب فرشتہ نازل ہوا اور فرمایا یسلع ما انزل الیک تو آپ غار حرا کو چھوڑ کر کربلا منہ کر کھڑے ہو گئے اور اس فرض کو ادا کیا۔

بہر حال دیگر حضرات کا جو حال بھی ہو میں اُس کے متعلق کچھ نہیں کہتا، میرا تو یہی خیال ہے کہ پہلے انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اپنی ہی فکر کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو اگر اس سے کوئی کام لینا منظور ہوگا تو خود اُس کو اُس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ پھر اُس کے لیے وہی بہتر ہے اور تبلیغ میں بھی اپنی ہی اصلاح مقصود ہونی چاہیے۔

ایک دفعہ ذکر کی ترقی اور ذکر کی استقامت کا ذکر کرتے ہوئے اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا: پوچھا گیا کہ ذکر کی آخر کوئی انتہا بھی ہے؟ فرمایا یہاں تک ذکر کرے کہ روح ذکر ہو جائے، پوچھا گیا کہ روح کے

ذاکر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ یہ دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے، خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت کرتا ہو، کھیتی کرتا ہو، مگر خیال ہر وقت اُسی طرف رہے، جیسا کہ کسی کو سرکارِ دریا پیٹ میں درد ہو تو اگرچہ باتیں بھی کرتا رہتا ہے، کام بھی کرتا رہتا ہے، لیکن خیالِ درد کی طرف رہتا ہے۔

پوچھا گیا کہ استقامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا، اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کرے سکون نہ ہو، بے چینی و بے قراری سی رہے اور جب ذکر پورا کر لے تو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے، طبیعت میں فرحت و سرور محسوس ہو، فرمایا، جب اس درجہ پر پہنچ جائے تو اس کا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے اور اس سے پہلے جاہدہ ہوتا ہے، فرمایا یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو جو کام اس سے لینا ہوتا ہے اُس کی طرف اُس کو متوجہ کر دیتے ہیں، تبلیغ یا تدریس یا تصنیف، جس کام کی طرف اُس کی طبیعت کا رجحان ہوتا ہے، وہی خدمت اس سے لیتے ہیں، بعض اوقات الہام کے ذریعہ سے حکم دیا جاتا ہے، بعض اوقات شیخ حکم دیتا ہے اور کبھی خود بخود طبیعت متوجہ ہو جاتی ہے۔

اس اصلاحِ باطن اور اخلاص کی دولت کے حصول کے بعد اُس کی دینی خدمتوں اور دینی و علمی اشغال کا عالم دوسرا ہوتا ہے، خود امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اظہار فرمایا ہے کہ حصولِ یقین و اخلاص کے بعد کے اور اس کے پیشتر کے مشاغلِ خدمات میں زمین و آسمان کا فرق تھا، پہلے وہ کام تقاضائے نفس یا ضابطہ کی تکمیل کے لیے کرتے تھے اب حکمِ الہی سے۔

حضرت کا مقصود دینی مشاغل و خدمات سے چھڑانا اور اجتماعی زندگی اور جدوجہد سے نکال کر مستقل طور پر انفرادی اصلاح اور خلوت و عزلت میں بٹھانا نہیں تھا، آپ کا مقصود عوام میں اُن کے درجہ کا اخلاص، تعلق باللہ اور شریعت کی پابندی پیدا کرنا اور خواص (علماء، مدرسین، مقررین، اہل قلم، اہل سیاست) میں اُن کے درجہ، اُن کے کام کی نزاکت و وسعت اور ان کے ابتلاء اور فتنوں کے مواقع کے بقدر ان میں اخلاص، تعلق مع اللہ اور ایمان و احتساب و تصحیح نیت کا ملکہ پیدا کرنا تھا، آپ خوب سمجھتے تھے کہ دردِ و اخلاص کے بعد اُن کے علم و ذہن کے جو ہر زیادہ کھلیں گے اور اُن کی تھوڑی کوششیں کہیں زیادہ بار آور ہوگی۔

ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت ذریخہ ہے ساقی

جیسا کہ آپ کا ارشاد گزر چکا ہے، اخلاص کے ساتھ مدت تک اللہ کا نام لینے اس کے راستہ میں اپنی ہستی کو فنا کرنے اور ایک صادق و مخلص بندہ کے ساتھ وابستہ رہنے اور اُس کی اطاعت و انقیاد و خدمت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وقت کی ایک اہم ترین خدمت آپ کے سپرد فرمائی اور بظاہر ایک گوشہ میں بٹھا کر قلوب و نفوس کی تربیت، حصولِ اخلاص و اصلاحِ اخلاق کی دعوت اور معرفت و یقین اور عشق و محبت کی دولت کو عام کرنے کا کام سپرد کیا کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے اور دردِ و خلوص والوں سے دردِ و خلوص ملتا ہے:

اخلاص عمل مانگ نیا گان کہن سے شاہاں چہ عجب گر بنو از ند گدارا

☆☆☆